مولوی حسن علی اور چند دیگر ماہلی علماء

از: مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، اڈیٹر البلاغ، بمبئی

موجودہ ضلع اعظم گڈھ کے مغرب میں پندرہ بیس میل پر قصبہ ماہل مشہور بستی ہے، جو شاہانِ شرقیہ کے دور سے سواد جونپور میں علماء و مشائخ اور ارباب علم و فن کا مرکز رہی ہے، علمی تاریخ میں سب سے پہلے پرگنہ ماہل کا نام سلطان ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) کے دور میں سنا گیا، جب کہ سلطان نے حضرت شیخ فتح اللہ اودھی متوفی ۸۲۱ھ کو یہاں جاگیر دی اور انھوں نے اس علاقہ میں دو گاؤں بہاء الدین پور اور کندھیارا (شاید کندھرا پور) آباد کئے، اس کے بعد شیخ صدر الدین قریشی ظفرآبادی چراغ ہند کی اولاد سے ایک بزرگ شیخ خیر الدین ظفرآبادی ترک وطن کرکے ماہل آئے، اور اپنے نام پر ایک گاؤں خیر الدین پور آباد کرکے مقیم ہوئے، ان کے صاحبزادے شیخ مبارک محمدی ماہلی متوفی ۹۸۳ھ کے نام پر اس دیار میں مبارکپور ایک گاؤں آباد ہوا، اسی دور میں شیخ نصیر الدین قلندر ظفرآبادی متوفی ۹۱۵ھ ماہل کے قریب نیگون میں اقامت پذیر ہوئے، جہاں ان کا مزار ہے، آخری دور میں شیخ گلشن علی ماہلی متوفی حدود ۱۲۰۰ھ اور مولانا حسن علی متوفی ۱۲۵۸ھ گذرے ہیں، موخر الذکر دونوں حضرات فارسی شعراء میں ممتاز مقام کے مالک ہیں، غرض شرقی دور سلطنت سے یہ قصبہ علم و فضل اور علماء و فضلاء کا مسکن رہا، مغل دور میں بھی اس کا تعلق سرکار جونپور کے

محال اور پرگنہ جات تھا اور اودھ کی نوابی کے دور میں دوسرے علاقوں کی طرح یہاں کے اہل علم وفن وظائف اور جاگیروں کی ضبطی کی وجہ سے شدید پریشانی میں مبتلا ہوئے، کہنا چاہئے کہ اسی دور میں یہاں سے علم وعلماء کا دور ختم ہو گیا۔

برطانوی دور میں پرگنہ ماہل انتظامی امور میں مختلف علاقوں سے متعلق رہا، لارڈ ولزلی اور نواب سعادت علی خان کے درمیان ایک صلح نامہ کی رو سے ۱۰ رنومبر ۱۸۰۱ء (۲ ررجب ۱۲۱۶ھ) میں چکلہ اعظم گڈھ، پرگنہ ماہل اور پرگنہ مئو کو ایسٹ انڈیا کمپنی میں شامل کرکے برطانیہ کے نئے ضلع گورکھپور سے متعلق کردیا گیا، پھر ۱۸۲۰ء (۱۲۳۶ھ) کی ابتداء میں دیوگاؤں، نظام آباد، اور پرگنہ ماہل وغیرہ کو گورکھپور سے علیحدہ کرکے جونپور میں شامل کیا گیا، اور ۱۸ ردسمبر ۱۸۳۲ء (۱۲۴۹ھ) میں اعظم گڈھ مستقل ضلع قرار دیا گیا مگر اب بھی دیوگاؤں اور ماہل جونپور کے کلکٹر کے ماتحت رہے، پھر کچھ دنوں کے بعد انکو بھی اعظم گڈھ میں شامل کردیا گیا۔[۱]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں باشندگان ماہل نے بڑی بہادری دکھائی اور تین ماہ سے (زائد تک) اس دیار پر اپنا قبضہ رکھا، ۳ رجون کو اعظم گڈھ میں ہندوستانی رجمنٹ نے بغاوت کی تو ادارت جہان نے فوج تیار کرکے نائب ناظم جونپور ہونے کا دعویٰ کردیا اور ماہل کی تحصیل پر قبضہ کرکے شمس آباد تحصیل پھولپور تک چودہ کوس کا علاقہ اپنے زیر تصرف کرلیا، انگریزی فوج کو اعظم گڈھ کی شورش سے فرصت ملی تو ۲ رستمبر ۱۸۵۷ء کو کرنل راٹن بھاری فوج لیکر ادارت جہان سے مقابلہ کے لئے ماہل سے متصل مبارکپور نامی گاؤں میں پہونچا، جہاں ادارت جہان نے مضبوط پناہ گاہ بنا رکھی تھی، جانبین میں سخت مقابلہ ہوا مگر کرنل راٹن نے

---

[۱] اعظم گڈھ گزیٹیر ۱۹۱۱ء ص ۱۲۳،

ادارت جہان کو گرفتار کرکے پھانسی دیدی، اور ماہل پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔[۱]

یہ ہے ماہل کے قصبہ و پرگنہ کی مختصر گذشتہ تاریخ، اب ہم یہاں کے علماء، فضلاء، شعراء اور مشائخ کے جو حالات مل سکے ہیں لکھتے ہیں۔

شیخ فتح اللہ اودھی رحؒ | حضرت شیخ فتح اللہ اودھی دہلی کے علماء کبار اور مدرسین عظام میں تھے، ابتداء میں منارہ شمسی کے عقب میں واقع جامع مسجد میں درس دیتے تھے، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ شیخ صدر الدین حکیم کے حلقۂ بیعت وارادت میں شامل ہو گئے، مگر جب مجاہدہ وریاضت کے باوجود سلوک ومعرفت کے اسرار ورموز منکشف نہیں ہوئے تو اپنے مرشد کو صورت حال سے آگاہ کیا، انھوں نے حکم دیا کہ تم درس وتدریس اور کتابوں سے یکسوئی حاصل کرلو، انھوں نے اس پر عمل کیا، مگر کچھ کتابیں اب بھی ان کے مطالعہ میں رہیں جس کی وجہ سے مرشد کی نصیحت پر پورے طور سے عمل نہیں ہوسکا آخر میں ان کتابوں سے علٰحدگی کے بعد شیخ فتح اللہ پر احسان وتصوف کی راہ صاف ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر معرفت کے دروازے کھول دیئے، شیخ صدر الدین نے ان کو خلافت دیکر علاقۂ اودھ کی طرف روانہ کیا جہاں سلاطین شرقیہ کی قدر دانی اہل علم وفضل کے لیے چشم براہ تھی، یہاں آنے کے بعد شیخ فتح اللہ بیعت وارشاد کے ذریعہ خدمت خلق میں مشغول ہو گئے، اس وقت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی جونپور کی تعلیمی وتدریسی فضا پر چھائے ہوئے تھے، شیخ فتح اللہ نے اپنے نوعمر مرید ومسترشد شیخ محمد بن عیسیٰ تاج کو پہلے قاضی صاحب کے مدرسہ میں داخل کراکے علوم شرعیہ کی تعلیم دلائی پھر ان کو سلوک ومعرفت کی تلقین کی،

صاحب مشکوٰۃ النبوت نے شیخ فتح اللہ کو عارف باللہ اور قدوۂ اہل اللہ کے لقب سے

---

[۱] اعظم گڈھ گزیٹیر،

یاد کیا ہے، اور ان کے بارے میں لکھا ہے، "و سرحلقۂ مشائخ اودھ بود، وکرامات وخوارق عادات وے مشہور است" بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے تعارفی القاب میں "صوفی" لکھا ہے، ان کا حلقۂ ارشاد و تلقین بہت وسیع تھا، ان کے مریدین و خلفاء میں بڑے بڑے اہل فضل و کمال تھے، جن میں شیخ محمد بن عیسٰی جونپوری، شیخ قاسم بن برہان الدین دہلوی اودھی مصنّف آداب السالکین اور شیخ سعدالدین اودھی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، شیخ فتح اللہ اودھی ۲۲ ربیع الثانی ۸۲۱ھ میں فوت ہوئے،[سلہ] ان کے بارے میں ان کے خاندان کے ایک عالم مولوی علی حسن ماہلی متوفی ۱۳۵۵ھ نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے کہ راقم کے اجداد میں سے ایک بزرگ شاہ فتح اللہ انصاری بن عبداللہ انصاری سلطان تغلق کے دور میں دہلی آئے، کچھ دنوں وہاں رہنے کے بعد سیر و سیاحت کرتے ہوئے جونپور پہنچے جو ان دنوں سلاطین شرقیہ کا دارالسلطنت تھا، یہاں انکے ارشاد و تلقین کا شہرہ عام ہوا، اور حاکم وقت ان کی زیارت کا مشتاق ہوا، ایک دن جامع مسجد میں ان سے ملا، اور مہینہ میں دوبار ان کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتا رہا، کچھ دنوں کے بعد سلطان نے شاہ فتح اللہ کی اولاد کے گذر بسر کے لیے چند مواضع پرگنہ ماہل میں جو جونپور کے پرگنات و مضافات میں ہے بطور جاگیر عطا کئے، انھوں نے پرگنہ مذکور میں اپنے بڑے صاحبزادے شاہ بہاؤالدین کے نام سے بہاؤالدین پور۔ اور کندھیارا (کندھرا پور ؟) دو گاؤں آباد کیئے، اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی، ان کا مزار بھی اسی قریہ میں ہے،[سلہ]

سلہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۳ و صفحہ ۱۶۴، مشکوٰۃ النبوت قلمی صفحہ ۱۵۸ تا صفحہ ۱۶۰، تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۵۹، نزہۃ الخواطر بحوالہ گنج ارشدی جلد ۳ صفحہ ۱۱۲،

سلہ تذکرہ صبح وطن، صفحہ ۵،

ہمارے نزدیک شیخ فتح اللہ اودھی اور شاہ فتح اللہ انصاری ایک ہی شخصیت ہیں، ان کے سب سے پہلے تذکرہ نگار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اور بعد کے سب تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں ان کو صرف اودھی کی نسبت سے یاد کیا ہے، کسی نے انصاری نہیں لکھا ہے، شاہ صاحب نے نہ ان کی ولدیت لکھی ہے، نہ سنہ وفات اور نہ ہی مدفن کا ذکر کیا ہے، نزہۃ الخواطر میں گنج ارشدی کے حوالہ سے ان کی تاریخ وفات ۲۲ ربیع الثانی ۸۲۱ھ بتائی ہے، مگر مشکوٰۃ النبوت میں ہے کہ "سنہ وفاتش در نظر نیامدہ ولیکن معاصر سلطان ابراہیم شرقی بود"، سلطان ابراہیم کا دور حکومت ۸۰۴ھ سے ۸۴۴ھ تک ہے، نزہۃ الخواطر میں ان کے والد کا نام نظام الدین درج ہے، اور مولوی علی حسن ماہلی نے شاہ عبداللہ انصاری لکھا ہے، ہو سکتا ہے کہ نظام الدین لقب اور عبداللہ نام ہو، بعد کے کئی مورخوں نے ان کا مزار اودھ میں بتایا ہے، مگر مولوی حسن علی نے لکھا ہے "بالجملہ در پرگنہ مذکور از نام شاہ بہاؤالدین پسر بزرگ خود قریہ بہاؤالدین پور و کندھیارا آباد ان ساختہ در ان سکونت اختیار کردند، مزار متبرکہ شاہ فتح اللہ موصوف در ہماں قریہ واقع است"، ان دونوں اقوال میں یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ یہ علاقہ اس زمانہ میں اودھ میں شمار ہوتا تھا، اس کے علاوہ کسی اور فتح اللہ نامی بزرگ کا تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا ہے، البتہ علامہ فتح اللہ ملتانی اس دور کے مشہور عالم تھے، جن کا مولد و منشا اور مدفن ملتان ہے، شیخ فتح اللہ اودھی کا یہ شعر بہت مشہور رہے،

یک دوست پسند کن چوں یک دل داری
گر مذہب مردمان عاقل داری

شیخ نصیرالدین قلندر ظفرآبادیؒ | شیخ نصیرالدین بن محمد بن رفیع الدین عباسی

سمرقندی ظفرآبادی سلسلۂ قلندریہ کے مشائخ کبار میں ہیں، ان کے حالات انتصاح عن ذکر اہل الصلاح، کشف النقاب عن الاحوال والانساب، اصول المقصود، فصول مسعودیہ، بحر زخار، تجلی نور، اور نزہۃ الخواطر وغیرہ میں ہیں، شیخ قطب الدین بنیادل قلندر جونپوری کے اجل خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے، ظفرآباد سے ترک وطن کرکے پرگنہ ماہل کے مقام نیگوں میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، اور یہیں فوت ہوئے، اس علاقہ میں ان کو حکومت وقت سے کئی مواضع بطور جاگیر عطا ہوئے تھے، قلندری روایت کے مطابق شیخ عبدالعزیز مکی علمبردار کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک شیخ نصیرالدین کو ملا تھا، جو بطور تبرک محفوظ تھا (واللہ عالم) شیخ نصیرالدین کی بیوی ان کے مرشد شیخ قطب الدین بنیادل کی صاحبزادی تھیں، ان کے صاحبزادے شاہ نور قلندر بن شاہ نصیر قلندر کو شیخ قطب الدین بنیادل اور اپنے والد دونوں بزرگوں سے خلافت حاصل تھی، انتصاح میں ہے کہ شاہ نصیر نے اپنے صاحبزادے شاہ نور کے علوئے مرتبت کو دیکھکر ان سے کہا کہ دو آفتاب ایک جگہ نہیں رہ سکتے ہیں، اس لیے شاہ نور نے نیگوں چھوڑکر ٹمر ہر پور (فیض آباد) میں سکونت اختیار کرلی تھی، اور وہیں فوت ہوئے، ان کا مزار بھی وہیں ہے، شیخ نصیرالدین کا وصال ۲۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱۵ھ میں نیگوں میں ہوا اور وہیں دفن کئے گئے، مزار پر شاندار روضہ ہے، ان کی تاریخ وفات میں یہ اشعار کسی نے کہے ہیں،

آنکہ شاہِ نصیرِ دین بودہ　　صاحبِ صدق وہم یقین بودہ
اُو ز بنیادئے دل خلافت یافت　　علم پیر را بصدق افراشت
بعد چندے بہ قصبۂ نیگوں　　کرد از حکم پیر خویش سکوں
بست و پنج از جمادی اولیٰ بود　　کہ ز دنیائے دوں سفر فرمود

سال تاریخ او بجا باشد　　گفتہ ام۔ شاہد خدا باشد[1]

شیخ مبارک محمدی ماہلی | شیخ مبارک بن شیخ خیرالدین ماہلی جونپوری، شیخ صدرالدین قریشی ظفرآبادی چراغ ہند کی اولاد سے ہیں، ان کے والد شیخ خیرالدین ظفرآباد سے ترک وطن کرکے پرگنہ ماہل میں چلے آئے، اور اس کے قریب اپنے نام پر خیرالدین پور گاؤں آباد کرکے باپ بیٹے رہنے لگے، شیخ مبارک نے بعض کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور جونپور کے اساتذہ و شیوخ سے تحصیل و تکمیل کی، طریقت و روحانیت کی تلقین و تربیت اپنے والد سے پائی، اس زمانہ میں میر علی عاشقان سرائمیری متوفی سنہ ۹۵۰ھ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، دور دور کے تشنگان علم وعرفاں اس چشمۂ صافی سے سیراب ہو رہے تھے، میر صاحب شیخ مبارک کے ہم وطن تھے، ماہل اور سرائے میر کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہے، شیخ مبارک نے بھی میر علی عاشقان کے آستانہ پر حاضری دی اور ان کی خدمت و صحبت میں رہکر خلافت و مشیخت کا مرتبہ پایا، مرشد نے مسترشد کو خلافت کے ساتھ محمدی کے لقب سے بھی نوازا، اس کے بعد شیخ مبارک نے میر صاحب کے حکم سے جونپور کے محلہ سپاہ میں خانقاہ تعمیر کی اور علائق دنیا سے یکسو ہوکر زہد و تقویٰ اور عبادت و قناعت میں پوری زندگی گذاری، آپ کی ذات سے ایک مخلوق نے فیض اٹھایا، تجلی نور میں ہے کہ شیخ مبارک نے خاندانی فیوض و برکات کے علاوہ میر سید علی قوام سے تمام سلاسل مروجہ کے فیوض حاصل کئے اور اس قدر نفس کشی اور ریاضت کی کہ ان کے مشاہیر خلفاء میں شمار کئے گئے، انھوں نے ارشاد و تلقین اور باطنی اشغال کے ساتھ تعلیم و تدریس اور ظاہری علوم کا مشغلہ بھی رکھا اور ان کی خانقاہ علمی درسگاہ اور روحانی تربیت گاہ دونوں تھی ۴ شوال سنہ ۹۸۳ھ میں جونپور میں

---

[1] انتصاح عن ذکر اہل الصلاح ص ۹ و نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۷۷، نیز بعض حالات جناب سلطان احمد صدیقی گورکھپوری نے اوجین سے روانہ کئے ہیں،

فوت ہوئے "فخر زمانہ" تاریخ وفات ہے[1]

شیخ گلشن علی ماہلی | شیخ گلشن علی بن شیخ عطاء اللہ انصاری ماہلی کا تذکرہ محمد قدرت گوپا مئوی کی کتاب تذکرہ نتائج الافکار (تصنیف ۱۲۴۱ھ) میں مل سکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ فتح اللہ اودھی (شاہ فتح اللہ انصاری) کی اولاد سے ہیں، بارھویں صدی کے مشہور فارسی شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے، محمد قدرت گوپا مئوی کا بیان ہے کہ شیخ گلشن علی پسر شیخ عطاء اللہ انصاری ماہلی کی ولادت ۱۱۰۷ھ میں ہوئی، انھوں نے فارسی کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور نحو و صرف کی تعلیم اپنے دیار کے بعض اساتذہ سے حاصل کی، خوش نویسی کی مشق بھی کی، اور خط نستعلیق و شکستہ و ثلث بہت اچھا لکھتے تھے، بعد میں دہلی گئے، اور میر افضل ثابت کی خدمت میں رہکر مشق شعر و سخن کی، ان کے انتقال کے بعد شمس الدین فقیر کو اپنے اشعار دکھانے لگے، علی حزین سے بھی شاعری میں اکتساب فیض کیا، ایک مدت تک دہلی میں نواب شیر افگن خان باسطی اور چند سال نواب علی قلی خان واله کی خدمت میں رہے، آخر میں ماہل میں آکر گوشہ نشین ہوگئے اور یہیں ۱۲۰۵ھ کے اواخر میں انتقال کیا، شیخ گلشن علی کے چند اشعار یہ ہیں،

رفتی از بزم و طرب لذت و تمنا باقی است　　بادہ شد صرف در ہوا و در دل مینا باقی است

لالہ در دشت نشانی ست ز مجنوں کہ ہنوز　　داغہائے غم او بر دل صحرا باقی است

دلم از اختلاط یار با اغیار می نالد　　کہ چوں بلبل بہ بیند پہلوئے گل خار می نالد

در چشم فتنہ ساز تو باشد بلا نگاہ　　باز آفت نگاہ تو دارد خدا نگاہ

رباعیات

گر غنچۂ گل تنگ دہانی دارد (۱) چوں لعل تو کے گہر افشانی دارد

[1] تجلی نور ج ۱ ص ۷، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۴۸

ہر چند کہ سرو مصرعہ موزوں کرد　　چوں قامت تو کجا روانی دارد

شام آن بت مہ طلعت خورشید غلام　　آمد بنظارۂ مہ نو بر بام

او را بفلک نظر مرا بر رویش (۲) آں شوخ ہلال دید من ماہ تمام

مولوی محمد حسن علی ماہلی | آخری دور کے ماہلی علماء و فضلاء میں مولانا محمد حسن علی صاحب حسن انصاری ماہلی متوفی ۱۲۵۸ھ کو خاصی شہرت و ناموری حاصل ہوئی ان کو اپنے دور کے فارسی شعراء میں ممتاز مقام حاصل تھا، متعدد تذکرہ نگاروں نے ان کا حال لکھا اور انتخاب کلام درج کیا ہے، سب سے پہلے محمد قدرت گوپا مئوی نے نتائج الافکار (سنہ تصنیف ۱۲۴۱ھ) میں ان کا حال لکھا، اس کے بعد نواب والا جاہ محمد غوث خان اعظم نے تذکرہ صبح وطن (طباعت ۱۲۵۹ھ) میں ان کے خود نوشت حالات درج کیے اور گلزار اعظم میں ان کا تذکرہ کیا، یہ تینوں کتابیں مولوی صاحب کی زندگی میں لکھی گئیں، اس کے بعد نواب علی حسن خان بن نواب صدیق حسن خان نے صبح گلشن میں (طباعت ۱۲۹۵ھ) ان کا حال لکھا ہے، حدیقۃ المرام نام کی کسی کتاب میں بھی ان کا حال درج ہے جس سے صاحب نزہۃ الخواطر نے استفادہ کیا ہے "صبح وطن" کا تذکرہ سب سے زیادہ مفصل اور بعد والوں کا ماخذ ہے، پھر بھی دوسرے تذکروں میں بعض نئی معلومات ہیں،

مولوی محمد حسن علی بن شیخ نوازش علی حنفی انصاری ماہلی کا تخلص حسن ہے، ۱۱۹۶ھ میں ماہل میں پیدا ہوئے، بنارس میں تعلیم حاصل کی فراغت کے بعد کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسہ میں مدرس ہوئے، کچھ دنوں کے بعد مدراس میں کمپنی کے مدرسہ میں چلے گئے اور مدرسہ ٹوٹ جانے کے بعد مدراس کی عدالت کے صدر مفتی ہوئے، اس عہدہ پر تھے کہ ۲۹ رجب ۱۲۵۸ھ میں مدراس ہی میں فوت ہوئے،

صبح وطن میں انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھا ہے کہ قریہ بہاؤالدین پور میں ان کے جد امجد شاہ فتح اللہ انصاری کی اولاد و احفاد بزرگان علم و فضل کے انداز پر موجود تھی ان میں سے اکثر متوکل اور گوشہ نشیں اور بعض شاہان دہلی کے مناصب جلیلہ وخدمات عمدہ پر مامور تھے، میرے جد امجد نے کبھی دائرۂ توکل سے باہر قدم نہیں رکھا، اور فقر و فاقہ میں اپنی عمر بسر کی، البتہ مجھکو سیر و سیاحت اور شہروں کے عجائب و غرائب کے مشاہدہ کا شوق دامن گیر ہوا۔

"در ایام طفولیت از وطن مالوف برآمد، در بنارس تحصیل کتب درسیہ فارسیہ بخدمت ملا محمد عمر کہ بلا واسطہ نسبت تلمذ بہ سراج الدین علی خاں آرزو و شیخ علی حزیں داشتند در سن پانزدہ سالگی کردم و بمرور ایام در لیالی تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ جابجا کردہ در سن بست و پنج سالگی فراغ حاصل نمودم، نسبت تلمذ در علوم متداولہ معقول و منقول بیک واسطہ بمولوی برکت الہ آبادی قدس سرہ کہ از علمائے فحول بودند میرسد

اتفاقاً بعد از تحصیل علوم قائد تقدیر بہ مملکت بنگالہ رسایند، در انجا شطرے از اوقات را بدرس و تدریس علوم مروجہ گذرانیدم، و ارادۂ مراجعت بوطن مالوف داشتم، اتفاق نشد و حسب طلب حکام وقت در ۱۲۳۲ھ یکہزار و دوصد و سی و دو سال وارد مدرسہ حرسہ اللہ عن الادنا س گردیدہ سنگ بموزہ ام افتاد و از عرصہ بست سال دکسرے در اینجا رحل اقامت افگندم، مجملے از حال من آوارہ دور از دیار اینست [۱]

اس مجمل سوانح عمری سے معلوم ہوا کہ وہ بچپن ہی میں وطن سے نکل کر بنارس پہونچے اور پندرہ سال کی عمر میں یعنی ۱۱۹۶ھ میں پیدائش کے حساب سے ۱۲۱۱ھ میں فارسی کی تعلیم سے فارغ ہوئے، اسکے بعد مختلف مقامات پر علوم مروجہ کی تحصیل کر کے پچیس سال کی عمر میں یعنی ۱۲۲۰ھ میں عالم و فاضل ہو گئے،

---

[۱] صبح وطن ص ۵۸

اسکے بعد ہی کلکتہ میں مدرس ہوئے، جہاں کم و بیش بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اور ۱۲۳۲ھ میں کلکتہ ہی سے مدراس جاکر وہاں کے سرکاری مدرسہ میں بیس سال سے زائد تک تعلیم دی، یہ واقعات ۱۲۵۲ھ تک کے ہیں، اس کے بعد صدر مفتی ہوئے اور چار سال اس عہدہ پر رہکر ۱۲۵۶ھ میں راہی ملک عدم ہوئے،

اس بیان میں تحصیل علم کے سلسلہ میں صرف ایک مقام بنارس اور ایک استاد ملا محمد عمر بنارسی کا نام ہے اسکے بعد جابجا علوم متداولہ کی تحصیل کی اور بیک واسطہ مولوی برکت الہ آبادی سے شرف تلمذ کی تصریح کی ہے ظاہر ہے کہ جابجا مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا ہوگا، مگر ان میں سے ایک کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا، اسکی کوئی خاص وجہ ان کے نزدیک رہی ہوگی۔

مولوی ملا محمد عمر بن غوث عمری بنارسی ۱۱۳۳ھ میں مرزاپور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر دہلی جاکر وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا، اسکے بعد سراج الدین خان آرزو اکبرآبادی (ولادت ۱۱۰۱ھ وفات ۱۱۶۹ھ) اور فارسی کے مشہور شاعر علی حزیں بنارسی سے شاعری میں استفادہ کیا ملا محمد عمر صاحب دیوان شاعر تھے، انھوں نے گنج شائگان کے نام سے فارسی شعراء کے حالات میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ۹۰ سال کی عمر میں ۱۲۲۳ھ میں بنارس میں انتقال کیا، جہاں انھوں نے فراغت کے بعد مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا تھا،

مولانا محمد برکت بن عبدالرحمن کا خاندان رہتھی سے الہ آباد جاکر آباد ہو گیا تھا، انھوں نے شیخ کمال الدین فتح پوری وغیرہ سے تعلیم پائی اور علوم ریاضیہ میں خاص طور سے مشہور ہوئے، پوری عمر درس و تدریس میں بسر کی، ریاضی کی مشہور و متداول کتابوں پر ان کے حواشی ہیں،

مولوی حسن علی صاحب نہایت ذہین و طباع اور ذی علم تھے ان کے حالات عام طور سے فارسی شعرا کے تذکروں میں درج ہیں اسلئے ان کی شاعری کا پہلو زیادہ اجاگر ہوا، اور انکی دوسری علمی حیثیات ابھر نہ سکیں

محمد قدرت گوپاموی نے ان کو "جامع علوم عقلی و نقلی" کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے۔

"وے ذہن نقاد در جمیع این فنون مہارت شائستہ و مہارت بایستہ حاصل ساخت" (نتائج الافکار ص ۲۰۷)

علوم مروجہ متداولہ میں مہارت کے ساتھ ریاضی اور شاعری سے خاص تعلق تھا اور ان میں "استاد وقت" مانے جاتے تھے، ریاضی میں انکی متعدد کتابیں اور رسائل ہیں نواب والاجاہ نے لکھا ہے۔ "احسن تخلص مولوی محمد حسن علی است کہ در علم فارسی و عربی و ریاضی استاد وقت خود است، رسالہ تبصرۃ الحکمہ در طبیعیات و الٰہیات بنام این راقم السطور مرقوم ساختہ، و رسالہ منتخب التحریر در علم ریاضی و رسائل تکسیر و جفر در رمل وغیرہ از مولفات اوست (صبح وطن ص ۵۵)

غالب گمان ہے کہ تبصرۃ الحکمۃ کے ساتھ منتخب التحریر اور تکسیر و جفر اور رمل وغیرہ کے رسائل بھی مدراس میں طبع ہوئے ہوں گے، نواب والاجاہ سے مولوی صاحب کے خوشگوار تعلقات تھے اور از راہ قدردانی نواب صاحب نے انکی کتابوں کی طباعت کا انتظام کیا ہوگا،

مدراس میں مولوی صاحب کو علمی ماحول ملا اور ان کی پوری قدردانی ہوئی، اور وہ "شعر و شاعری اور فارسی زبان کے ساتھ علوم ریاضیہ کے استاد یگانہ و منتخب زمانہ" قرار پائے نواب والاجاہ نے گلزار اعظم میں لکھا ہے،

"بتدریس کتب فارسیہ خصوصاً کلام متقدمین و علم ریاضی استاد یگانہ و منتخب زمانہ" (ص ۱۶۰)

اسی کے ساتھ بڑے شریف و نجیب، اور با اخلاق عالم تھے، عزت نفس و شرافت طبع حلم و انکسار کے پیکر تھے، نواب والاجاہ نے جامع انداز میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں،

"نور شرافت از جبین بیدا ید ذاتہ، نجابت از گل خلقش ہویدا حلمش با انکسار توأم و اخلاقش با اکرام ہمدم" (گلزار اعظم ص ۱۶۰)

دینی علوم میں بھی اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، کتاب و سنت اور فقہ میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی، مدراس میں صدر مفتی ہونا اس کی دلیل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصف بعد میں

نمایاں ہوا، جب کہ شعر و سخن، ریاضی دان اور مدرسی کی شہرت عام ہو چکی تھی، اس لئے ان کے تذکرہ نگاروں نے ان ہی گوشوں کو زیادہ اجاگر کیا۔

اصل میں وہ ایک کامیاب مدرس اور استاد وقت تھے، شعر و شاعری ان کا خاص مشغلہ نہیں تھا، مگر یہ عجیب بات ہے کہ اسی میں ان کو زیادہ شہرت و ناموری حاصل ہوئی، شعر کبھی کبھی کہتے تھے، مگر طبیعت موزوں پائی تھی، اس لئے جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے، انکے تلامذہ میں اچھی خاصی تعداد ان شعرا کی ہے جو تیرہویں صدی میں جنوبی ہند کے آسمان شعر پر نمایاں تھے،

ایام طفولیت میں وطن سے نکلنے کے بعد ان کو واپسی کا موقع نہیں ملا، ممکن ہے فراغت کے بعد ایک آدھ بار وطن آنے کا اتفاق ہوا ہو، ورنہ بقول ان کے تحصیل علوم کے بعد قائد تقدیر نے ان کو کلکتہ پہونچا دیا، وہاں سے وطن کی مراجعت کا ارادہ کیا مگر اس کا موقع نہ مل سکا، اور ادھر ہی سے مدراس چلے گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے، غالباً انھوں نے مدراس میں متاہل زندگی بسر کی ہوگی، اور انکے پسماندگان یہیں رہے ہوں گے مگر انکا حال معلوم نہیں،

باوجودیکہ مدراس میں ان کو بہترین ماحول ملا، قدردانی بھی ہوئی، اونچا عہدہ پایا مگر اپنے وطن والوں سے مہجوری اور اپنی مجبوری کی وجہ سے ہمیشہ دل گرفتہ رہے اور اپنے کو "آوارہ دور از دیار" ہی سمجھتے رہے،

"قائد تقدیر" کی قیادت میں اس "آوارۂ دور از دیار" کا دور نہایت پر آشوب تھا، علماء و فضلاء سخت ابتلاء و آزمائش میں مبتلا تھے، نوابان اودھ کی اہل علم و فضل کے ساتھ زیادتی اور نظام سلطنت کی ابتری عام تھی، اس دور پر فتن کا پورا نقشہ علامہ آزاد بلگرامی نے کھینچا ہے

سنہ ۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین کی مٹی میں علم و علماء کی سرگرمی باقی رہی، یہاں تک کہ محمد شاہ عالم کے آغاز جلوس میں برہان الملک سعادت خان نیشاپوری صوبہ اودھ کا حاکم ہوا، اس نے یہاں کے اکثر بڑے بڑے شہروں جیسے جونپور، بنارس، غازیپور، کڑا مانک پور، کوڑا جہان آباد وغیرہ کو اپنی حکومت میں شامل کرکے قدیم وجدید خاندانوں کے وظائف اور جاگیروں کو یکسر ضبط کر لیا، جس کی وجہ سے شرفاء و نجباء نے بڑی پریشانی اٹھائی، لوگوں کو معاش و معیشت کی الجھنوں نے کسب علم سے باز رکھکر پیشۂ سپہ گری میں ڈال دیا، اور درس و تدریس کا رواج یوں ختم ہو گیا کہ جو مدارس قدیم زمانہ سے معدنِ علم و فضل تھے بالکل ویران ہو گئے، اور اکثر ارباب کمال کی بھری انجمنیں اجڑ گئیں، برہان الملک کے بعد اس کے بھانجے ابو المنصور صفدر جنگ کو حکومت ملی وظائف اور جاگیریں بدستور ضبط رہیں، اور جب محمد شاہ کے آخری عہد میں ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی اس کے حوالہ کر دی گئی تو اس صوبہ کی جاگیریں اور وظیفے بھی باقی نہ رہ سکے، احمد شاہ کے زمانہ میں صفدر جنگ وزیر بنا تو صوبہ اودھ وغیرہ کے نائب نے وظیفہ پاپ طبقہ پر سختی کی، جس کے باعث یہ دیار پامال ہو گیا۔[۱]

پھر آخری دور میں انگریزی اقتدار کے عروج اور پورے ملک میں عام بے چینی کی وجہ سے ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی، اس لئے ارباب علم و فن نوابوں، امیروں اور راجوں کے دروازوں کا رخ کرنے لگے، بہتوں نے برطانوی مدرسوں سے تعلق پیدا کر لیا، چنانچہ مولوی حسن علی ماہلی اور ان کے دیار کے کئی علماء نے کلکتہ مدراس اور ارکاٹ وغیرہ کا رخ کیا،

---

[۱] مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۲۲،

ان کا انتقال مدراس کی عدالت کی صدارتِ افتاء کے دور میں ۱۲۵۸ھ میں ہوا، گلزار اعظم میں ہے،

"بعد چند سال لوائے خدمت افتائے صدر مفتی عدالت افراخت، و در ہمان کارگزاری درسال ۱۲۵۸ھ کوس رحلت ازیں دار سرا سر وحشت نواخت" (ص ۱۶۰)

سب تذکرہ نگار ان کی وفات ۱۲۵۸ھ میں لکھتے ہیں،

نزہۃ الخواطر میں حدیقۃ المرام کے حوالہ سے ۲۹ رجب ۱۲۵۸ھ درج ہے،

مولوی صاحب تمام علوم متداولہ اور عقلیہ و نقلیہ میں استاد یگانہ اور منتخب زمانہ ہونے کے ساتھ ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے، جو ان کے فطری ذوق کا نتیجہ تھا، اس ذوق نے بنارس میں ملا محمد عمر کی صحبت میں اور جلا پائی، مگر وہ کبھی کبھی شاعری کرتے تھے، محمد قدرت گوپاموی نے لکھا ہے،

چونکہ در فنون نظم ہم طبع بلند دارد، و تلاشِ ارجمند گاہ گاہ بفکر سخن ملتفت می شود (نتائج الافکار ص ۲۰)

نواب والاجاہ نے بھی یہی لکھا ہے، باقتضائے موزونیت طبع گاہ گاہ بفکر سخن ہم مشغول بودہ مشاطۂ طبع رسا بنیش باین زیبائش حسن شاہد کلام می افزاید (گلزار اعظم ص ۱۶۰)

نمونہ کلام یہ ہے،

دکانِ دلبران بے رونق از روئے نگارم شد	بلے قدرے بہ پیشِ مہر کے رہا شاچراغان را
نزاکت آں قدر دارد کفِ پائے نگارینش	کہ برگِ گل بجائے خار باشد پائے جانان را
پُر از مشکِ ختن می بینم امشب کوہ و صحرا را	مگر بادِ صبا واکرد آں زلفِ چلیپا را
از روئے خود فگن صنما این نقاب را	پوشیدہ کس ندید رخِ آفتاب را

ہائے اے حسنؔ! وصال از آن ہر رخ مجو | در بر گرفتہ است کسے آفتاب را؟
ازبسکہ وحشی است دل بے قرار ما | رم می کند ز سایۂ مردم غبار ما
در بر نہالِ قامت او نشاندہ ایم | گل کرد صد بہار ز باغِ کنار ما
تا جلوۂ رخ تو ملکِ دلم بتافت | آئینہ زار گشت ز حیرت دیار ما
روزے بمرقدم گذار اے سنگدل کہ آہ | از حد گذشت مرتبۂ انتظار ما
بر روئے زرد ما است رواں اشک لالہ گوں | یکجا بہم شدہ است خزان و بہار ما

دوشش رفتم بسر کوئے صنم استادم | دید و گفتا کہ گدای، دچہ کار است اینجا
اے حسنؔ! سیرِ گلستان چہ ضرور است ترا | گوشۂ دامنت از گریہ بہار است اینجا

نادیدہ است گل بچمن روئے یارِ من | از پنجہ ہائے خار گریباں دریدہ است
سبزہ بروے دلبر من نیست اے حسنؔ | طوطی بآبِ چشمۂ حیوان رسیدہ است

دوش چون بے رحمی ظالم، دلِ من یاد کرد | من جدا فریاد کردم، دل جدا فریاد کرد
از سرشکِ لالہ گون گشتم چو گل رنگیں لباس | نورِ چشم من؛ لباسِ دیگرم امداد کرد
قطرۂ اشکم بخاک افتاد و صلش رو نداد | دیدہ این دُرِّ یتیمم رایگاں برباد کرد
اے حسن! پیکِ دیارِ آن صنم اینک رسید | مرحبا کہ خانۂ ویرانہ ام آباد کرد

اے باد پیش یار بردبا ادب بگو | کیں دل برائے دیدنِ تو زار می طپید
چشمِ تو دوست دارم اگرچہ طپم بجا است | تیمار دار از غمِ بیمار می طپید

دوشینہ در برِ آن بتِ عیار داشتم | خوش طالعے کہ دولتِ بیدار داشتم
کالم پُر از حلاوتِ دنیا است اے حسنؔ! | شاید بخواب لب بلبِ یار داشتم

اے حسن! داغِ دلِ من رونقِ من بس بود | احتیاج شمع دیگر نیست در کاشانہ ام

شاید کہ بتِ ما گذرد بر سرِ راہے | بر خاک نشینیم بامید نگاہے
ہر چند ضعیفیم ولے حامیٔ عشقیم | ہر تیزیٔ آتش بود از برگ گیاہے

ہم نے یہ اشعار صبح وطن سے نقل کیے ہیں، دوسری کتابوں میں ان ہی کا مختصر انتخاب درج ہے ـــــ

مولوی حسن علی صاحب کی پوری زندگی وطن سے دور کلکتہ اور مدراس میں گذری، ان ہی دونوں جگہوں میں ان کے کمالات علم و ادب کے میدان میں ظاہر ہوئے، مدراس میں ان کو زیادہ مدت تک قیام کرنے اور کام کرنے کا موقع ملا اس لیے یہیں ان کی علمیت و قابلیت کے جوہر نمایاں ہوئے، چنانچہ شاعری میں ان کے کئی تلامذہ کے حالات کتابوں میں ملتے ہیں، جن کا تعلق جنوبی ہند سے ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں،

ولاؔ تخلص اور مولوی سید حمید الدین بن سید ابو طیب خان نام ۱۲۱۳ھ میں رحمت آباد میں پیدا ہوئے، مدراس کے مشہور علماء مثلاً مولوی محمد سعید اسلمی مدراسی، مولوی علاء الدین لکھنوی، مولوی تراب علی خیر آبادی، اور مولوی حسن علی ماہلی سے علوم عربی کی تحصیل کی تھی، (صبح وطن ص۲۱۷)

بہجتؔ تخلص مولوی محمد تاج الدین حسین بن غیاث الدین خان خوشنویس نام ۱۲۱۴ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے بیس سال کی عمر کے بعد سے بارہ سال تک مدرسہ کمپنی میں مولوی حسن علی ماہلی، اور مولوی تراب علی نامی سے علوم عربی و فارسی کی تحصیل کی (گلزار اعظم ص۱۳۰)

بلیغؔ تخلص، شاہ محمد روح اللہ بن شاہ محمد نور اللہ نقشبندی خوشنویس ۱۲۳۰ھ میں

پیدا ہوئے، کتب فارسی، فن عروض و قوافی و بیان و بدیع و نجوم و رمل و تکسیر وغیرہ مولوی حسن علی ماہلی، اور مولوی حاجی محمد محی الدین میران سے حاصل کئے، اور ان ہی دونوں سے شعر و سخن کی مشق کی، (" گلزار اعظم ص ۱۳۳)

حیران۔ تخلص، مولوی حاجی محی الدین بن فقیر محمد، ساکن کرنول، نواب عمدۃ الامراء بہادر کے مطبخ کے داروغہ تھے، ۱۲۱۰ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے، سن شعور کے بعد اکتساب علم کا شوق پیدا ہوا، مولوی حسن علی ماہلی، اور مولوی صاحب حسینی سے فارسی و عربی علوم پڑھکر فراغت کے قریب پہونچے (" ص ۱۶۱)

صاحب۔ تخلص، مولوی غلام علی المخاطب بہ منشی الملک دبیر الدولہ اعتماد خان بہادر، عطارد جنگ بن محمد نائطی المخاطب بہ دبیر الملک مشیر الدولہ رازدار خان بہادر محمود جنگ، ۱۲۱۷ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے، مولوی حسن علی ماہلی، اور مولوی ارتضی خان بہادر کی خدمت میں رہکر کتب عربیہ کی تعلیم حاصل کی (" ص ۲۴۷)

قادر۔ تخلص، مولوی قادر علی بن حاجی تراب علی نامی، ۱۲۳۲ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے، کتب عربیہ ہدایہ تک مولوی حسن علی ماہلی، مولوی سید عبدالودود عاشق، مولوی، سید عبدالقادر حسینی اور مولوی یوسف علی خان سے پڑھیں (" ص ۲۹۵)